

# خواجہ غلام السیدین

(1904ء-1971ء)



خواجہ غلام السیدین ہریانہ کے تاریخی قصبے پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ غلام الشقین علی گڑھ کالج کے نامور طالب علم تھے اور والدہ مشتاق فاطمہ حآلی کی پوتی تھیں۔ غلام السیدین کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم پانی پت میں ہوئی۔ کالج کی تعلیم کے لیے وہ علی گڑھ گئے جہاں انھوں نے بی۔ اے اور بی۔ ایڈکلیا اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں سے آکر علی گڑھ پہنچ رہنیں گے کالج میں لیکھ رہوئے اور پھر پرنسپل ہو گئے۔

خواجہ غلام السیدین ماہر تعلیم تھے۔ انھوں نے آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیمی امور کے سلسلے میں کئی مقامات پر مختلف حیثیتوں سے کام کیا۔ انھوں نے گاندھی جی کی عملی تعلیم سے متعلق ڈاکٹر ڈاکٹر حسین کے ساتھ خاکہ تیار کیا۔ غلام السیدین کو اردو زبان اور ادب سے بھی بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے اردو میں تعلیم اور ادب سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔ اُن کی مشہور کتاب ‘آنڈھی میں چراغ’ ہے جس پر انھیں ساہتیہ اکاڈمی کا انعام بھی ملا۔ حکومت ہند نے ان کی تعلیمی خدمات پر انھیں ’پدم بھوشن‘ کے خطاب سے نوازا۔ انھیں دنیا کے سات ماہرین تعلیم میں شمار کیا جاتا تھا۔

خواجہ غلام السیدین کی نشر نہایت سادہ لیکن پُر زور اور موثر ہوتی ہے۔ وہ اپنی بات کو بیان کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے الفاظ سے وہ کام لیتے ہیں جو بہت سے لوگ بڑے بڑے الفاظ سے بھی نہیں لے سکتے۔



4914CH07

## جنین کا سلیقہ

میں ایسے مشاہیر کی صحبت میں بیٹھا ہوں جن کی گفتگو میں وہ لونچ، دل آویزی اور سلیقہ ہوتا تھا کہ  
وہاں سے اٹھنے کو دل نہ چاہے مثلاً سرتچ بہادر سپرو، سرو جنی نائیدو، مولانا آزاد، سید راس مسعود،  
ڈاکٹر اقبال، ڈاکٹر ذاکر حسین، یعنی یہ کیفیت کہ: وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی  
اس کشش کی وجہ مغض یہ نہ تھی کہ وہ زبان پر قدرت رکھتے تھے یا رکھتے ہیں بلکہ ان کا دماغ  
روشن اور مرتب تھا۔ انھیں دراصل کچھ کہنا ہوتا تھا۔ ان کی سیرت ان کے تجربوں سے مالا مال تھی۔  
وہ اپنے سُنے والوں میں دلچسپی رکھتے تھے۔ انھیں اپنی زندگی اور تجربوں میں شریک کرنا چاہتے  
تھے۔ اور جہوریت کے اس زمانے میں جب زبان سے ترغیب اور تبادلہ خیال کا زیادہ سے زیادہ  
کام لیا جاتا ہے، اچھی گفتگو نہ صرف ایک سماجی ہنر ہے بلکہ ایک سیاسی ہتھیار بھی ہے، جس کا صحیح  
استعمال سیکھنا ضروری ہے۔

اچھے لوگوں اور اچھی کتابوں کی صحبت کے علاوہ تیسری چیز جو اچھی زندگی کی بنیاد ہے، وہ کام  
ہے۔ اس سے متعلق ہمارے صدر محترم ذاکر حسین نے اپنے ایک خطے میں لکھا ہے کہ ”کام بے  
مقصد نہیں ہوتا۔ کام کچھ کر کے وقت کاٹ دینے کا نام نہیں، کام خالی دل لگی نہیں، کام کھیل نہیں،  
کام کام ہے۔ با مقصد محنت ہے۔ کام دشمن کی طرح آپ اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اس میں جو پورا  
اُترتا ہے، تو وہ خوشی دیتا ہے جو اور کہیں ملتی۔ کام ریاضت ہے، کام عبادت ہے۔“ واقعہ یہ ہے  
کہ انسان کی شخصیت اس وقت تک کسی حسین سانچے میں نہیں ڈھل سکتی، جب تک اس کے دل

میں اس انداز سے کام کرنے کی لگن پیدا نہ ہو، حقیر سے حقیر کام میں معنی اور لطف پیدا ہو سکتا ہے۔  
 بشرطیکہ کام کرنے والا اس کا رشتہ بڑے مقصد کے ساتھ قائم کرے۔ دو مزدور ایک پہاڑ پر پتھر توڑ رہے تھے۔ ایک رہ گیر نے پہلے سے پوچھا ”تم کیا کر رہے ہو؟“ اس نے جل کر جواب دیا۔ ”دیکھتے نہیں ہو، اپنی قسمت کے لکھے پتھر پھوڑ رہا ہوں۔“ ذرا اور آگے بڑھ کر اس نے دوسرے مزدور سے بھی یہی سوال کیا تو اس نے بہت فخر اور خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ ”میں ایک گرجا کی تعمیر کر رہا ہوں۔“ دیکھا آپ نے؟ پتھر وہی تھے لیکن ایک مزدوران سے اپنی قسمت پھوڑ رہا تھا، اور دوسرے ایک عبادت گاہ بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہمارے ملک میں نہ صرف طلبہ بلکہ سب لوگوں کو کام کرنے کے صحیح آداب سکھانے کی ضرورت ہے۔ کسی کام کو سری انداز میں کرنا گویا سر سے ایک ناگوار بوجھ اتارنا ہے، نہ اس میں خوشی تلاش کرنا، نہ پانا، نہ اس حسین تکمیل میں فخر محسوس کرنا، نہ اس کے ذریعے اپنی دنیا کو سمجھنا اور اپنے ہم جنسوں کے ذکر سکھ میں شریک ہونا۔ یہ سب نہ تو ذہنی دیانت کا تقاضا ہے، نہ اخلاق کا۔ زندگی خدا کا ایک انمول عطیہ ہے اور وہ تمام صلاحیتیں اور ہنرمندیاں اور جو ہر، جو اس کے ساتھ قدرت ہمارے کپسے میں ڈالتی ہے، ان کی قیمت انسان صرف کام کے ذریعے اور کام کے سکے میں ادا کر سکتا ہے۔ جو شخص اس قیمت کو خوش دلی اور ایمانداری کے ساتھ ادا نہیں کرتا، اس کی حیثیت میرے نزدیک ایک چور کی ہے وہ خود کا چور ہے، سماج کا چور اور خدا کا چور ہے۔

لیکن جیسے کا سلیقہ صرف بڑے بڑے اصولوں کی پابندی پر ہی منحصر نہیں۔ اس میں بہت سی چھوٹی چیزیں بھی ہیں۔ ایک معمولی انسان کی زندگی کا ہر لمحہ ایسی سطح پر بسر نہیں ہوتا جہاں ہر قدم پر منصور کی طرح انا لمحت کہنے کی ضرورت ہے۔ اس میں اس سے بھی زیادہ اہمیت ہے۔ ایسی ظاہر معمولی صفات کی جو انسانی رشتہوں میں خوشنگواری پیدا کرتی ہیں۔ یہ کون سی صفات ہیں؟ آپس

کے میں جوں میں دوستی اور مہربانی، معاملات میں انصاف، سچائی اور بھروسہ، مل جل کر کام کرنا، دوسروں کے حقوق کی پاسداری اور ان کی رائے کا احترام، خوش مزاجی اور ظراحت اور خواہ خواہ کی دل شکنی اور بدگونئی سے پر ہیز۔ میرا خیال ہے کہ ہماری آئے دن کی زندگی میں بہت سے نفسیاتی دکھ اور محرومیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم اپنے دوستوں، عزیزوں اور ہم جنسوں سے مہربانی، فیاضی اور ہمدردی کا سلوک نہیں کرتے۔ ان کے بارے میں دوسرے لوگوں کے سامنے غیر ذمے داری کے ساتھ ایسی بات چیت کرتے ہیں جس سے ان کی نیک نامی پر برا اثر پڑتا ہے۔ یا شخص تفریحًا اور گرمی میفل کی خاطر ایسی گفتگو میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کی برائی کو بغیر جانچ پڑتاں کے آسانی سے مان لیتے ہیں، ان کو شہہ کا فائدہ بھی نہیں دیتے بلکہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بے قصور ہیں، ہم جرأت سے کام لے کر ان کے حق میں کلمہ خیر نہیں کہتے۔ لیکن دراصل لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھنا اور ان کی اچھی باتوں کی تلاش اور قدر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم ان کی طرف سے بدنظر رہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے رہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دفعہ انسان ہر کسی کو شریف اور قابل اعتماد سمجھ کر نقصان اٹھاتا ہے لیکن اخلاقی اور سماجی اعتبار سے یہ نقصان بہت کم ہے اور اس کے مقابلے میں دل تنگی، بد بینی اور شہبے کی ذہنیت سرا سرگھائے کا سودا ہے۔ جو شخص اس قسم کی طبیعت اور دل و دماغ رکھتا ہے، وہ عمر بھر کے لیے ایک روگ خرید لیتا ہے، نہ خود خوش رہ سکتا ہے، نہ دوسروں کو خوش رکھتا ہے۔ برخلاف اس کے خوش مزاجی روزمرہ کی زندگی اور رشتؤں میں لطف اور شیرینی پیدا کرتی ہے اور صحیح قسم کی ظراحت بہت سی ناگواریوں کا علاج ہے۔ وہ ظراحت جس کا مقصد دل دکھاننا ہے، جو دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ جما قتوں پر طنز کرے، لیکن کسی کی ذاتی تحقیر نہ کرے، جو دوسروں سے زیادہ خود اپنی حماقتوں کا خاکہ اڑائے اور اپنے بارے میں دوسروں کی ظراحت کو جھیل سکے۔ جو شخص خود کو بہت اہم سمجھتا ہے، اپنی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا،

اپنے کوتقید سے بلند اور دوسروں کو اپنے سے کمتر جانتا ہے، جس کی طبیعت میں ضبط نہیں، جس کا مزانج آسانی سے بھڑک اٹھتا ہے، جو اپنی دولت یا خاندان یا منصب کو نہ بھول سکے، خود بھی ان سے مروعہ رہے اور دوسروں پر بھی ان کا رعب ڈالنا چاہے، وہ جینے کے سلیقے سے بالکل نا آشنا ہے۔ اگر ہماری تعلیم خود پسندی اور خود پرستی کے ان بتوں کو نہ توڑے اور لوگوں کو خود پرستی کے ساتھ احتساب کرنا اور دوسروں کے ساتھ سمجھداری اور نرمی کے ساتھ پیش آنامہ سکھائے تو وہ زندگی کے لیے تیار نہیں کر سکتی۔ یہ انسار اور خود شناسی کی صفت بھی زندگی کے گونا گون نقشے میں ایک لطیف رنگ بھرتی ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ اخلاقی اعتبار سے ایک گھلا دل، ایک فیاض طبیعت، تنگ دلی سے بہتر ہے، بلکہ دوسرے لوگ جو سلوک ہم سے کرتے ہیں، وہ کبھی بڑی حد تک اس سلوک پر مخصوص ہے جو ہم ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ دوستی، نیک نیقی اور بھروسے کے ساتھ پیش آئیں تو توقع ہو سکتی ہے کہ ان کا رویہ بھی ہمارے ساتھ دوستانہ ہو لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص جو میرے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شرافت سے پیش نہ آئیں۔ یعنی لوگ صرف سفید و سیاہ رنگ میں رنگ نہیں ہوتے کہ سب کے ساتھ اپنے ثابت ہوں گے یا برے۔ دراصل دوسروں کی فطرت کی خوبیوں کو اجاگر کرنا ایک حد تک خود ہمارے اختیار میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ یک طرف نیکی کرنے میں بڑی برکت ہے، خواہ لوگ اس بات کو مانیں یا نہ مانیں، نیکی میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اکثر بدی کے ہتھیار رکھا لیتی ہے۔ اگر ہم میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ جس بات کو نیک اور سچ سمجھتے ہیں، وہی کریں اور اس کی زیادہ فکر نہ کریں کہ دوسرے کیا کرتے ہیں، تو ہم دھیرے دھیرے اپنے مخالفوں کے دل کو جیت سکتے ہیں۔ نیک بھی بدی کی طرح متعددی ہے، اس کا اثر دور دوڑتک پھیلتا ہے۔ اگر ہم روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں نیکی اور سچائی

سے کام لیں، تو وہ آہستہ آہستہ ہماری ساری زندگی کے کاروبار میں راہ پا جاتی ہے اور جب کبھی کوئی ایسی نازک صورتِ حال پیش آتی ہے جہاں ہمیں خیر و شر کی ازی جنگ میں حصہ لینا پڑتا ہے اور اپنی تقدیر کو بنانے یا بگاڑنے والے فیصلے کرنے ہوں تو عمر بھر کی یہ عادتیں اور رجحان ہمارے کام آتے ہیں۔ اس طرح زندگی کے چھوٹے اور بڑے کاموں میں ایک نفیاً قائم رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور بقول پیغمبر اسلامؐ کے ساری دنیا ایک 'مسجد' بن جاتی ہے، جہاں انسان ہر کام اس انداز سے کرتا ہے گویا وہ اپنے بنانے والے کے سامنے کھڑا عبادت کر رہا ہے۔ بہت مشکل ہے ایسی کیفیت پیدا کرنا اپنے دل و دماغ میں، لیکن یہ سب مذہبوں کی مشترک تعالیٰ ہے اور بہت سے مردان خدا نے بلکہ بہت سے نیک اور گمنام لوگوں نے بھی اس شان کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ اور پھر کسی قوت پیدا ہو جاتی ہے ایسے لوگوں میں کہ موت بھی انھیں زیرینیں کر سکتی۔ ایک نظر سے دیکھیے تو انسان کی زندگی ایک ٹھہر تے چراغ کی طرح ہے، جو چند لمحوں کے لیے روشن ہوتا ہے اور پھر موت کی ایک ہلکی سی پھوک اُسے بچھا دیتی ہے لیکن جب کوئی انسان اپنی زندگی کو بڑے مقاصد کے ساتھ وابستہ کر لیتا ہے اور ان کی قدر وہ کا حامل بن جاتا ہے اور انھیں روزمرہ کی زندگی میں بر تباہ ہے، تو کوئی آندھی اس چراغ کو نہیں بچھا سکتی۔ موت اس کے جسم کو فنا کر دیتی ہے، لیکن اس کے دماغ کی جولانی، اس کے دل کا گدراز، اس کی روح کی بلندی، اس کے مقصد کی تابانی قائم رہتی ہے اور تھکے ماندے، راستے سے بھکے مسافروں کی ہمت بڑھاتی ہے۔ اس قسم کے چراغ جلانا ہر انسان کا فرض ہے اور چراغ کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، ساری دنیا کا اندھیرا بھی اسے نہیں بچھا سکتا۔ لیکن انسان کی شخصیت کو صرف فکر کی روشنی اور کام کی تپیاہی تباہ محل، نہیں بناتی۔ اس کو جذبات کی دولت بھی ملی ہے جن کی صحیح تربیت کے بغیر اس کی تیکیل ممکن نہیں ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کی حُسن شناسی اور حُسن آفرینی کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا اور اس میں ذوقِ جمال کی شمع

جلانا ضروری ہے۔ خوبصورتی سے لطف اٹھانے کی صلاحیت قدرت کی ایک انمول دین ہے، جو زندگی میں مسرت کا رنگ بھرتی ہے اور اس کو طرح طرح سے مالا مال کرتی ہے، خواہ وہ خوبصورتی عالم فطرت میں پائی جائے یا انسانوں کے خدو خال میں، یا علم اور حق کی تلاش میں یا آرٹ اور دستکاری کی تحقیق میں۔

خواجہ غلام السیدین

## مشق

### لفظ و معنی

مشاهیر	:	مشہور کی جمع، یعنی مشہور لوگ
دل آویزی	:	دل کو کھینچنے کی صفت
محاسبہ کرنا	:	حساب کرنا، جائزہ لینا
ریاضت	:	محنت، جد و جہد
کپسہ	:	تحصیلی
حقیر	:	بے وقعت
تمکیل	:	مکمل کرنا، مکمل ہونا
عطیہ	:	بخشش، انعام
منصور	:	ایک مشہور صوفی جنہیں ان کے خیالات کی وجہ سے مزاے موت دی گئی تھی
ان الحق	:	(عربی) میں مطلق حق ہوں، یعنی میں خدا ہوں

بدگوئی	:	مُراکھنا
کلمہ خیر	:	اچھی بات
حسن ظن	:	نیک خیال، اچھا خیال
اعتماد	:	یقین
تحقیر	:	کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، کم تر مذہب رانا
منصب	:	عہدہ
گُوناگُون	:	فقط قسم کے
اجاگر کرنا	:	روشن کرنا، ظاہر کرنا
متعدہ	:	کوئی چیز، مثلاً بیماری جو چھوٹ سے لگتی ہو
آزل	:	ہیشگی

## غور کرنے کی بات

- جینے کا سلیقہ خواجہ غلام السید یعنی کا بہت اچھا مضمون ہے۔ اس میں مصنف نے صحیح معنوں میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی گزارنے کے لیے جہاں اچھے لوگوں کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کام کرنا بھی اچھی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔
- دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں اگر آپ ان کی زندگی کے حالات پڑھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر بڑے انسان کے پیچھے اس کے اچھے کام ہیں جنہوں نے اس کے نام کو زندہ رکھا ہے لیکن بڑا آدمی بننے کے لیے انسان کو بہت سی قربانیاں دنی پڑتی ہیں۔

## سوالوں کے جواب لکھیے

- . ڈاکٹر ڈاکر حسین نے کام کی کیا اہمیت بتائی ہے؟

2. دل تنگی، بد نیتی اور شہبے کی ذہنیت کس طرح گھاٹے کا سودا ہے؟
3. مصطفیٰ کی نظر میں کیسے لوگ جینے کے سلیقے سے نا آشائیں؟
4. اچھی گفتگو کے ذریعے ہم کس طرح کامیابی حاصل کر سکتے ہیں؟
5. مصطفیٰ نے اس مضمون میں کیا سمجھانے کی کوشش کی ہے؟ مختصر لکھیے۔

## عملی کام

- ”چراغ کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو ساری دنیا کا اندر ہیرا سے نہیں بجھا سکتا۔“ اسی طرح کے چند جملے جو آپ کو اچھے لگے ہوں انھیں اپنی کاپی میں لکھیے اور زبانی یاد رکھیے۔
- اس مضمون میں ایک جگہ دولفاظ آئے ہیں با مقصد اور بے مقصد۔ ان الفاظ میں صرف بے اور بآ کے استعمال سے لفظ کے معنی ہی بدل گئے ہیں یعنی با مقصد جس کا کوئی مقصد ہوا اور بے مقصد جس کا کوئی مقصد نہ ہو۔ آپ بھی ایسے چند الفاظ لکھیے جن میں بے اور بآ کا استعمال کیا گیا ہو۔
- مصطفیٰ اپنی بات میں زور اور اثر پیدا کرنے کے لیے کبھی کبھی تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس مضمون میں بھی مصطفیٰ نے ایک صوفی حضرت منصور حلاج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے ایک خاص کیفیت میں ’انا لغت‘ (میں خدا ہوں) کہہ دیا تھا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے بادشاہ وقت نے انھیں سزاۓ موت دی تھی۔
- اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ مندرجہ ذیل تاریخی اشارات کے بارے میں اپنے استاد سے پوچھ کر لکھیے:

قارون کا خزانہ، نمرود کی خدائی، حسن یوسف  
یچھے لکھے ہوئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

تکمیل، عطیہ، منصب، اعتماد